ڈاکٹر محمد اصغر اسعد، (اسسٹنٹ پروفیسر ملتان)

فن موعظت کی اہمیت اور اساسی اصول

لفظ "موعظت" عربی زبان کا کلمہ ہے جس کا لغوی معنی "پند و نصیحت" ہے (۱) اصطلاحی لحاظ سے موعظت وہ طریق کار ہے جس کے ذریعے داعی الی اللہ لوگوں کو خیر کی دعوت دیتا ہے اور برائی اور اس کے انجام سے اس انداز سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے کہ ان کے دل بھلے کاموں کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور اعمالِ صالحہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

اصلاح احوال اور تہذیب نفوس کے لئے وعظ و نصیحت کی بہت بڑی اہمیت ہے، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خالق کائنات نے خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ دعوت و تبلیغ کا عظیم الشان کام حکمت اور موعظت حسنہ کے ذریعے سرانجام دیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (سورہ نحل آیت ۱۲۵)(۲)

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے"

یہ حکم صرف آپ ہی کو نہیں بلکہ آپ سے قبل انبیاء کو بھی یہ فریضہ سونپا گیا کہ وہ دعوت الی اللہ میں وعظ و تذکیر کا اسلوب اپنائیں، چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جب تم فرعون کے پاس اللہ کی توحید کا پیغام لیکر جاؤ تو درج ذیل طریق اپناؤ

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طہ آیت ۴۴)(۳)

پس اس (فرعون) سے نرمی سے بات کرو تا کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔

معلوم ہوا کہ وعظ و نصیحت انسانی قلوب میں ذکر الٰہی اور خوف خدا پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن کو "موعظت" قرار دیا ہے، ارشاد رب ذوالجلال ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (یونس ۵۷)(۴)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی ہے"

انسانی قلوب چونکہ اس مادی دنیا میں رہنے کی وجہ سے اس کے دنیاوی اثرات جلد قبول کر لیتے ہیں اور یاد الٰہی سے غفلت کی بناء پر زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور وہاں رحمٰن کی بجائے شیاطین کا بسیرا ہو جاتا ہے، اور وہ فساد کا مرکز بن جاتے ہیں اور انسان سے اعمال صالحہ کی بجائے اعمال طالحہ سرزد ہوتے ہیں، سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی جسم میں دل کی مرکزیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا:

"الا وان فی الجسد مضغة ، اذاصلحت صلح الجسد کلة واذا فسدت فسدالجسد ، کله الاوهی القلب"

"سنو جسم میں ایک ایسا لوتھڑا ہے کہ جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست ہوتا ہے اور جب اس میں بگاڑ پیدا ہو تو

پورے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے، آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔" چنانچہ وعظ و نصیحت انسانی قلوب کی اصلاح میں بہترین کردار ادا کرتا ہے، جس کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ بسا اوقات صرف ایک حرفِ نصیحت نے سیدھی راہ سے بھٹکے انسان کی کایا پلٹ دی۔

دورِ جدید کے ذرائع ابلاغ کی بڑی اہمیت ہے جن کے ذریعہ واعظ ایک ہی وقت میں لاکھوں، کروڑوں انسانوں تک بغیر بالمشافہ ملاقات کے اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

تاریخ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے واعظ و ناصح ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ۝ (٦) النسا ، ٦٣

اور آپ انھیں نصیحت کیجئے اور ایسی بات کہیے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔"

رب ذوالجلال کے حکم سے یہ فریضہ آپ نے بخوبی سرانجام دیا اور روحانی امراض سے بھرپور دلوں کی اس طرح اصلاح کی کہ وہ پوری کائنات کے لئے نجوم ہدایت بن گئے۔

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذروں کو ہم دوشِ ثریا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

فن موعظت کی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام بھی اس میدان میں پیچھے نہ رہے وہ بھی تادمِ حیات یہ فریضہ نبھاتے رہے، صحابہ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین اس عمل خیر میں سرگرم رہے، لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ فن جب عام ہوا تو اس میدان کے شہسوار جہاں علماء، فقہا، محدثین و مفسرین ہوتے تھے، اب اس میں جاھل، کم خواندہ، بے عمل اور ریاء کار شامل ہو گئے، جنہوں نے وعظ میں قرآن و حدیث کی بجائے قصے کہانیوں کی بھرمار کردی، جس کی وجہ سے اس کے وہ خاطر خواہ نتائج سامنے نہ آئے جن کی توقع کی جاتی تھی، درج ذیل سطور میں ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان قواعد وضوابط اور اسالیب کا ذکر کرتے ہیں جن کو پیش نظر رکھنا ہر واعظ و ناصح کے لئے ضروری ہے۔

الف: وعظ و نصیحت کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔

اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ چونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسلئے واعظ کے لئے ضروری ہے کہ اس کی موعظت و نصیحت کلام ربانی اور احادیث نبویہ سے مزین ہو، اور جب لوگوں کے سامنے مامورات اور منہیات میں سے کچھ بیان کیا جائے تو وہ دلائل سے خالی نہ ہو۔ اور سب سے قویٰ اور اکمل دلیل کتاب ہے، جس کی مثال کائنات کا کوئی فرد نہ لاسکا اور نہ لاسکے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ "بنی اسرائیل ۸۸ (۷)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر انسان و جن اکٹھے ہو جائیں کہ وہ اس جیسا قرآن لائیں تو وہ اس جیسا نہیں لاسکتے" کتاب اللہ کے

بعد دوسری دلیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کا اثر قلوب پر مسلم ہے، کوئی شخص خواہ کتنا ہی فصیح اللسان اور بلیغ البیان ہو اگر اس کے پند و نصیحت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استشہاد کے بغیر ہو گی تو وہ نامکمل ہو گی۔

ب: وعظ و نصیحت میں لوگوں کی طبائع اور احوال نفوس کا خاص خیال رکھا جائے، کیوں کہ بعض اوقات نفس کی اکتاہٹ سے وعظ و نصیحت کا اثر جاتا رہتا ہے، اس لئے واعظ کو مزاج شناس بھی ہونا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی طبائع سے بخوبی آشنا تھے، یہی وجہ ہے کہ وعظ و تذکیر میں وقفہ ایام کو ملحوظ رکھتے، نفوس کی اکتاہٹ کے سبب موعظت میں کثرت نہیں فرماتے تھے، آپ کے تربیت یافتہ صحابہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا، حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"ہر جمعہ ایک بار لوگوں سے دین اسلام کی باتیں کیا کرو یا دو بار یا پھر تین بار، اور اس قرآن سے لوگوں میں اکتاہٹ پیدا نہ کرو"

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ و نصیحت فرماتے، ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ہر روز پند و نصیحت کیا کریں، آپنے فرمایا کہ مجھے اس کے ماسوا اور کوئی چیز نہیں روکتی کہ میں ناپسند سمجھتا ہوں کہ میں (کثرت وعظ) سے تمہیں اکتا دوں، بلاشبہ میں موعظت کے سلسلہ میں اسی طرح تمہارا خیال رکھتا ہوں، جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اکتاہٹ کے خوف کے سبب ہمارا خیال رکھتے تھے"(۹)

لہٰذا واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے اوقات کار، ان کی طبائع، مزاج اور دلچسپی کو پیش نظر رکھے اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے رہنمائی حاصل کی جائے، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موعظت و تذکیر جمعہ کے دن چند کلمات پر مشتمل ہوتی تھی، (۱۰)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

"ان النبی کان یحدث حدیثا لوعدہ العاد لاحصاہ(۱۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بات کرتے تو شمار کرنے والا آپ کی باتیں اگر شمار کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

ج: مبالغہ آمیزی اور قنوطیت سے اجتناب:

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ واعظ حضرات لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے اور نافرمانی اور برائیوں کی سزا کو اس قدر مبالغہ آمیزی اور وحشت ناک اسلوب میں بیان کرتے ہیں کہ عام سامعین یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب ان پر عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے اور توبہ کی کوئی گنجائش باقی ہی نہیں رہی اسی طرح بعض واعظین کچھ واقعات، اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے اللہ کی نافرمانی کی سزا کی وقعت بہت کم ہی نظر آتی ہے، لہٰذا مناسب طریقہ یہ ہے کہ موعظت میں متوسط راہ اختیار کی جائے، اور وہ ترغیب و ترہیب، اور خوف و رجاء کے درمیان ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝ الحجر ۴۹، ۵۰(۱۲)

میرے بندوں کو خبر دے دو کہ بے شک میں بہت بخشنے والا مہربان ہوں، اور بلاشبہ میرا عذاب دردناک عذاب ہے،
اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر اپنے نیک بندوں کی ان دونوں صفات کے ساتھ بیان کی ہے، چنانچہ فرمان الٰہیٰ ہے:

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ بنی اسرائیل ۵۷ (۱۳)

اور وہ (اللہ کے نیک بندے) اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں"
م المومنین سیدہ عائشہ، حضرت عبید بن عمیر (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں: "لوگوں کو ملال میں ڈالنے اور ناامید کرنے سے بچو (۱۴)

د: موعظت کا بغیر تکلف کے فصیح و بلیغ ہونا:

موعظت حسنہ کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ بغیر تکلف کے فصیح و بلیغ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات مبارکہ بلاغت کا شاہکار تھے لیکن تکلف سے پاک تھے، حضرت عرباض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے فصیح و بلیغ وعظ فرمایا جس سے ہماری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دلوں پر رقت طاری ہو گئی۔ (۱۵) تکلف کی کئی صورتیں ہیں مثلاً وعظ و نصیحت کے خطبات میں عمداً سجع بندی کا اہتمام کرنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اکابر صحابہ کا دور پایا مگر وہ حضرات سجع بندی سے اجتناب کرتے تھے۔ (۱۶)
امام غزالی کے نزدیک ایسی سجع بندی جو بالتکلف ہو مکروہ ہے کیوں کہ یہ عاجزی اور انکساری خشوع و خضوع کے خلاف ہے، اگر تکلفاً سجع بندی نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی دعائیہ کلمات مسجعہ منقول ہیں مگر وہ تکلف سے پاک ہیں (۱۷)
تکلف کی دوسری صورت یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں انسان کو معلومات نہ ہوں اس کے بارے میں خواہ مخواہ اپنی رائے دے دینا، حضرت مسروق رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ "جو شخص کسی چیز کے بارے میں جانتا ہے تو اسے اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہیے اور جو نہیں جانتا تو اسے "واللہ اعلم" یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہنا چاہیے، کیوں کہ جس چیز کے متعلق کسی کو علم نہیں ہے اور وہ اس کے بارے میں "اللہ اعلم" کہتا ہے تو یہ بھی ایک طرح کا "علم" ہے (۱۸) تکلف کی تیسری صورت یہ ہے کہ "کثرت کلام" اور "گفتگو میں غیر ضروری طوالت" اختیار کی جائے پس واعظ کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے خطبہ میں اختصار کو پیش نظر رکھے، اور خواہ مخواہ طوالتِ کلام سے اجتناب کیا جائے کیوں کہ یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور طریقۂ اسلاف کے خلاف ہے۔

س: موقع و محل اور حالات و واقعات کی موزونیت کو ملحوظ خاطر رکھنا:

فن موعظت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ وہ موقع و محل کے مطابق ہو، چنانچہ اس بارے میں ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے کافی شواھد ملتے ہیں، مثلاً ماہ رمضان کی آمد پر اس کی فضیلت اور اعتکاف اور

شب قدر کی اہمیت پر فصیح و بلیغ خطبہ منقول ہے، حج اور قربانی مواقع پر ان کی فضیلت کے بارے میں ارشادات وارد ہوئے ہیں، ماہ محرم میں یوم عاشور کی فضیلت بھی بیان فرمائی، غزوات کے مواقع پر قتال فی سبیل اللہ، شہادت اور اعانت مجاہدین کے بارے میں بکثرت روایات نقل کی گئی ہیں، ایک کامیاب واعظ اور ناصح اس اسلوب کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے۔

تفاوت درجات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ وعظ و نصیحت سے کوئی بھی مستغنی نہیں ہو سکتا، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، عالم ہو یا فاضل، تاہم ہر طبقہ کے افراد کے لئے یکساں قسم کی "موعظت" کار آمد نہ ہوگی، بلکہ مخاطبین کے عقول، قوت ادراک و فہم اور تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے، اس بارے میں ایک قول مشہور ہے " کلموا الناس علی قدر عقولھم " یعنی لوگوں کی سوجھ بوجھ کے مطابق گفتگو کرو، چنانچہ بعض اوقات ایک چیز کا ذکر ایک عالم آدمی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ لیکن عامی کے سامنے اس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح ایک نادار اور فقیر کے سامنے ایک چیز کا ذکر سودمند ہے لیکن غنی افراد کے لئے وہ چیز غیر مفید ہوتی ہے، ایسے ہی بسا اوقات بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے ذکر سے کسی فتنہ و فساد یا کسی غلط فہمی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا ایسی باتوں کے ذکر سے گریز کیا جائے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس قول پر عمل کیا جائے: **حدثو الناس بمایعرفون، اتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ:** (۱۹) یعنی لوگوں کے سامنے وہ چیزیں بیان کرو جن تک ان کی معرفت کی رسائی ہو، کیا تم اس چیز کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جائے " اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ جب تم لوگوں کے سامنے ایسی بات کرو گے جس تک ان کی عقلوں کی رسائی نہ ہوگی تو وہ بات ان کے لئے فتنہ و فساد اور آزمائش کا باعث ہوگی " (۲۰)

خلوص اور رضاء الٰہی مطلوب ہو

موعظت کے اہم اصول و ضوابط میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں ریاکاری کی بجائے خلوص اور رضائے الٰہی مطلوب ہو، ورنہ ریاکاری سے کیا ہوا عمل روز قیامت باعث اجر کی بجائے باعث ندامت ہوگا، خطباء، واعظین، داعیان اسلام و مبلغین سے روز آخرت، ان کے عمل موعظت و نصیحت، دعوت و تبلیغ کے بارے میں خلوص نیت کا سوال ہوگا، چنانچہ حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان عالیشان ہے:

"مامن عبد یخطب خطبتہ الا اللّٰہ سائلہ عنھا یوم القیامتہ، ماردت بھا؟ (۲۱)

جب کوئی بندہ خطبہ دیتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ اس خطبہ (تقریر و بیان) سے تیرا کیا مطلوب و مقصود تھا"

بلاشبہ وہ وعظ و نصیحت جس میں خلوص ہو، جب وہ آلائشوں سے پاک اور متدبر قلب کو پہنچتی ہے تو خوب اثر کرتی ہے، چنانچہ کلام ربانی میں متعدد جگہ اس مفہوم کی طرف اشارہ ہے، مثلاً ارشادی باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ... **سورۃ ق ۳۷**

بے شک اس میں اس شخص کے لئے نصیحت (عبرت) ہے جس کا کوئی دل ہو یا جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے،

صحیح روایات پر اعتماد:

واعظین کے لئے ضروری ہے کہ اپنی موعظت میں من گھڑت اسرائیلی روایات، موضوع احادیث اور سنے سنائے واقعات کے بیان کرنے سے گریز کریں، آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی احادیث منسوب کی جائیں جن کی نسبت علم روایت و علم درایت کے لحاظ سے درست ہو، آپ کا یہ قول مشہور ہے:

"من كذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" (۲۳)

جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے،

اسی طرح آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی مشہور ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے:

كفی بالمرء كذبا ان يحدث بكل ماسمع (۲۴)

کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ (بغیر تحقیق کے) ہر سنی سنائی بات بیان کرے۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ اکثر خطباء حضرات اس چیز کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے اور جوش خطابت میں آ کر ہر رطب و یابس قول کو کہہ گزرتے ہیں؛ حالانکہ یہ اسلوب خطابت، خطباء و واعظین کی کم علمی پر دلالت کرتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول منقول ہے:

انكم فی زمان كثير علماء وان بعدكم زماناً كثير خطباء والعلماء فيه قليل (۲۵)

"بے شک تم ایک ایسے زمانہ میں ہو کہ جس میں علماء کی تعداد زیادہ ہے، تمہارے بعد ایک ایسا دور بھی آئیگا جس میں خطیب زیادہ ہوں گے اور علماء کم ہوں گے" چنانچہ اس دور میں اکثر واعظین اس قول کا مصداق ہیں۔ جو اپنے وعظ میں من گھڑت اور موضوع روایات بیان کر کے اجر و ثواب کی توقع رکھتے ہیں۔

تحریری میدان میں بھی ایسی ایسی کتب موجود ہیں جن میں ماوراء العقل واقعات اور قصص کی بھرمار ہے چنانچہ محققین نے ایسی کتب کے مطالعے سے منع کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے ایک کتاب "احادیث القصاص" کے نام سے اور ابن الجوزی نے "القصاص والمذکرین" کے عنوان سے اور علامہ سیوطی نے "تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص" کے نام سے لکھ کر ایسے کئی موضوع و ضعیف واقعات و روایات کی طرف اشارہ کیا ہے جو اہل علم کے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہیں۔

بامقصد قصص و واقعات:

واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو تاریخی قصص و واقعات بیان کرے وہ صحیح ہونے کے ساتھ مؤثر اور بامقصد ہوں، چنانچہ قرآن مجید جو موعظت کی اعلیٰ وارفع کتاب ہے اس کا بھی یہی منہج ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ قصص ۳ (۲۶)

ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کی سچی خبر ان لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی طریقہ کار تھا، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے سابقہ امتوں کے کسی

بامقصد واقعات بیان فرمائے مثلاً بنی اسرائیل کے ان تین افراد کا طویل قصہ جو بارش کی وجہ سے ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے لیکن اچانک غار کا منہ ایک بھاری چٹان سے بند ہو گیا، پھر ہر ایک نے اپنا اپنا نیک عمل اللہ کے حضور میں یاد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو غار کے منہ سے ہٹا دیا اور وہ باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے، اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے ان لوگوں کا قصہ بیان کیا جنہوں نے پنگھوڑے میں کلام کیا، اس کے علاوہ اصحاب الاخدود، اصحاب تبع اور دیگر کئی واقعات آپ کی لسان صادق سے بیان ہوئے۔

واعظ اور ناصح کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ سامعین کے سامنے ان تاریخی واقعات کو بیان کرنے کا مقصد صرف ان کی تفصیل بہم پہنچانا نہ ہو بلکہ ان سے جو سبق اور عبرت حاصل ہو اسے بلامبالغہ بیان کرے۔

فن موعظت کو اپنے جائز مقام پر رکھا جائے:

وعظ و نصیحت کا اگرچہ انسانی نفوس کی تربیت میں کردار مسلم ہے، اور اسے اشاعت دین کا ایک اہم باب شمار کیا جاتا ہے، لیکن اس کے علاوہ، اخلاقی تعمیر و ترقی اور اشاعت دین کے دیگر وسائل اور ذرائع بھی ہیں مثلاً علم دین کا حصول اور اس کی تدریس کا فریضہ سرانجام دینا، جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ، لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر افراط و تفریط کے ہر ذریعہ کو اس کا حق شرعی دیا جائے اور صرف "موعظت" ہی کو تربیت نفس کا واحد باب نہ سمجھا جائے بلکہ دین اسلام کی اشاعت اور اس کے احکام پر باسانی عمل کرنے کے لئے انسانی نفس کو تیار کرنے کے دیگر ذرائع کے ساتھ ساتھ اسے بھی ایک اہم ذریعہ تصور کیا جائے

حواشی و مصادر

(۱) سورۃ النحل آیت ۱۲۵ (۲) ابن منظور، لسان العرب ج۱۵/ص۳۴۵۔ بیروت (۳) طٰہٰ آیت ۴۴ (۴) یونس/۵۷۔ (۵)۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۴۹، مطبع دارالسلام، الریاض، (۶)۔ النساء/۶۳، (۷) بنی اسرائیل/۸۸، (۸) الصحیح البخاری، حدیث نمبر ۶۳۳۷، (۹) صحیح البخاری، حدیث نمبر ۷۰، (۱۰) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۱۱۰۷، طبع بیروت، (۱۱) الصحیح للبخاری، حدیث نمبر ۳۵۶۷، (۱۲) الحجر/آیت ۴۹، ۵۰، (۱۳) بنی اسرائیل/۵۷، (۱۴) الخطیب البغدادی، الجامع لاخلاق الرادی، ج۲/ص۱۲۷، مصر، (۱۵) السنن للترمذی، حدیث نمبر ۱۲۵۷، طبع بیروت، (۱۶) الصحیح للبخاری: حدیث نمبر ۶۳۷۶، کتاب الدعوات، باب مایکرہ من السجع فی الدعاء، ص۱۳۴۱، (۱۷) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۱۱/ص۱۴۳، طبع بیروت، (۱۸) صحیح البخاری، حدیث نمبر ۴۸۰۹، کتاب التفسیر، باب قولہ "وما انا من المتکلفین" ص۱۰۲۶، (۱۹) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم قوماً، ص۵۸، مکتبہ دارالسلام، الریاض۔ (۲۰) المقدمہ صحیح المسلم، ص۱۱، باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع، بیروت۔ (۲۱) ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت و آداب اللسان، ص۲۴۹، بیروت ۱۹۹۰ء (۲۲) سورۃ ق/۷۳۔ (۲۳) صحیح البخاری، باب اثم من کذب علی النبی، ج۱/ص۲۹، الریاض۔ (۲۴) المقدمہ لصحیح المسلم، ص۱۰، بیروت (۲۵) ابو خیثمہ، کتاب العلم، ص۱۰۹، بیروت (۲۶) القصص/۳